ڈاکٹر محمد افضل صفی

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبۂ اردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج، کروڑ لعل عیسن

منیر نیازی کی شاعری کا بدیعی رنگ و آہنگ

ABSTRACT

The Axiomatic (Rhetorical) Colour and Harmony of Munir Niazi's Poetry

By Dr. Muhammad Afzal Safi, Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. Graduate College, Karor Lal Easan.

Munir Niazi came to the fore as one of the most influential voices of Urdu poetry in the last half of the twentieth century. His poetry is a coalescence of reality and awe and fascination .In his poetry, the reality peers out from the mirror of fascination and admiration. The poetic experiences of Munir Niazi manifest through an affinity to nature. There are outstanding examples of "Ilm-e-badii" (the rules of consistency, eloquence, rhetoric and ingenuity). In "Ilm-e-badii" the literal and metaphorical meanings of a word are put into use. Looking from another prospective, "Ilm-e-badii" is a kind of rhetoric, where the literal and metaphorical meanings of words are employed in such a masterful way that they become an organic whole, resulting in effective and expressive verses. The present article explores the figures of speech engaged in Munir's poetry. The different forms of "saanat-e-tajnees" (paronomasia like Homophonic, Homographic, Homonymic, Recursive and compound)," saanat-e -takraar(Repetition like Apostrophe, Diacope, Epizeuxis, polyptoton and Epanalepsis) and "Sanaat-e-Tazaad" (contrast like Antithesis, Oxymoron and paradox) and many other tropes of speech and rhetoric.

In Munir Niazi's oeuvre, above mentioned figures of speech have been manipulated with such consummate artistry and wizardry that there are no convolutions and results in efficacy and lucidity. The astute and expedient use of these figures is no mean task and some of the poets cannot maintain a befitting balance but Munir Niazi's poetry is free of any such blemishes.

Keywords: Munir Niazi, Rhetoric, Literal, Metaphorical, Paronomasia, Repetition, Contrast, Nouns, Verbs, Elegance of speech.

شعروادب کے حوالے سے بیسویں صدی خاصی ہنگامہ خیز ثابت ہوئی ہے۔ اس میں شاعری کے حوالے سے فنی پابندیوں سے آزادی حاصل کی گئی۔ جہاں نظم میں ردیف، قافیے سے چھٹکارا حاصل کیا گیا وہیں غزل میں بھی نئے نئے

موضوعات شامل ہوئے۔ منیر نیازی کے سامنے سارا پس منظر اور پیش منظر موجود تھا۔ جس سے اس نے خوب استفادہ کیا۔ جہاں اس کے یہاں جدید تشبیہات و استعارات اور علامتیں موجود ہیں وہاں مافوق الفطرت عناصر کی بھی کمی نہیں۔ جن، بھوت، چڑیل ایسی علامتیں بکثرت ملتی ہیں۔ خوف، ڈر، تنہائی ایسے موضوعات ان کی شاعری میں موجود فلسفہ وجودیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جادوئی تمثال نگاری ان کی شاعری کی پہچان ہے۔ البتہ معروضیت کم کم ملتی ہے۔ ان ساری باتوں کے ساتھ ساتھ صنائع بدائع کے استعمال میں بھی کچھ پیچھے نہیں رہے۔ منیر نیازی کی شاعری میں موجود صنائع بدائع پر تفصیلاً بات کرنے سے پہلے علم بدیع کو سمجھنا ضروری ہے۔

علمِ بدیع کا لفظ عربی زبان سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی ''بنانے والا موجد نیا نادر نو ایجاد شے، اصطلاح میں فصیح و بلیغ کلام کو مختلف لفظی یا معنوی خوبیوں سے آراستہ کرنے کا علم'' ہے۔''(۱) علمِ بدیع میں کلام کی لفظی اور معنوی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں جنھیں اصطلاحاً صنائع بدائع کہتے ہیں۔ صنائع بدائع وہ صنعتیں یا کارگریاں ہیں جن کو استعمال میں لاتے ہوئے کلام کو لفظی اور معنوی طور پر خوب صورت بنایا جاتا ہے۔ نجم الغنی کے مطابق ''صنائع بدائع ایک علم یعنی ملکہ ہے جس سے چند امور ایسے معلوم ہو جاتے ہیں جو خوبیِ کلام کا باعث ہوتے ہیں۔ مگر اول اس بات کی رعایت ضرور ہے کہ کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو۔'' (۲) آخری جملہ بہت اہم ہے۔ ''مقتضائے حال کے مطابق ہو'' یعنی کلام میں حسبِ ضرورت ان کا استعمال حسن پیدا کرتا ہے۔ صنائع کی بھرمار کلام کو بوجھل کر دیتی ہے۔ جیسے کھانے میں نمک حسبِ ذائقہ ہی اچھا لگتا ہے۔ اس طرح صنائع بدائع کا حسن اسی بات میں ہے کہ اس کا استعمال حسبِ ضرورت ہو۔ یہ علم کلام کو لفظی اور معنوی حوالے سے فصیح و بلیغ کرنے میں معاونت کرتا ہے۔ ''البدیع'' میں عابد علی عابد حافظ جلال الدین احمد زیبی کی رائے یوں درج کرتے ہیں ''علمِ بدیع وہ علم ہے جس سے کلامِ فصیح و بلیغ کی لفظی و معنوی خوبیاں معلوم ہو جائیں۔''(۳) صنائع بدائع کو معیارِ حسن پر جانچنے کے لیے کلام کا فصیح و بلیغ ہونا از حد ضروری ہے۔ اس نقطۂ نظر سے منیر نیازی کی شاعری اس معیار پر پورا اترتی ہے۔ ان کی شاعری میں چند صنائع بدائع پیشِ خدمت ہیں۔

صنائع لفظی:

صنعتِ تجنیس	تجنیسِ لاحق	تجنیسِ زائد و ناقص	تجنیسِ خطی
صنعتِ تجنیسِ مذیل	تجنیسِ محرف/ ناقص	صنعتِ تکرار	صنعتِ تکرارِ مطلق
تکرار مع الوسائط	تکرارِ مجدد	تکرارِ مشبہ	صنعت سیاق الاعداد
صنعتِ تضمن المزدوج	صنعتِ ردالعجز علی الصدر	صنعتِ ردالعجز علی العروض	صنعتِ تفریع
صنعتِ واسع الشفتین	صنعتِ مماثلت	صنعتِ قلب	صنعتِ ترافق
صنعتِ منقوطہ	صنعتِ غیر منقوطہ	صنعتِ تحت النقاط	صنعتِ فوق النقاط

صنعتِ تحت النقاط/صنعتِ فوق النقاط (دونوں کا یکجا استعمال)

صنائع معنوی:

مراعاۃ النظیر	صنعتِ تضاد	تضادِ ایجابی (اسم،	فعل، حرف وغیرہ کی صورتوں میں)
تضادِ سلبی	صنعتِ تفریق	صنعتِ جمع	صنعتِ لف ونشر مرتب
صنعتِ استفہامیہ	صنعتِ تجاہل عارفانہ	صنعتِ مبالغہ	صنعتِ حسنِ تعلیل
صنعتِ عکس وتبدل			

صنائع لفظی:

صنائع لفظی وہ کاری گریاں ہیں جن کے استعمال سے الفاظ میں حسن پیدا ہوتا ہے۔

صنعتِ تجنیس:

تجنیس کا لفظ جنس سے نکلا ہے۔یعنی کلام میں ایسے لفظ لائے جائیں جو شکل وصورت میں ایک جیسے لگیں لیکن ان کے معانی مختلف ہوں۔صنعتِ تجنیس کی متعدد اقسام ہیں دیکھیے:

صنعتِ تجنیس لاحق:

تجنیسِ لاحق کی رو سے دو متجانس الفاظ میں ایک حرف کا اختلاف ہوتا ہے۔یہ اختلاف حرف کے تین مقامات میں سے کسی ایک مقام پر وارد ہوتا ہے۔شروع، درمیان اور آخر۔لفظ کے آخر میں اختلاف کی مثال دیکھیے:

ہے بابِ شہرِ مردہ گزرگاہِ بادِ شام
میں چپ ہوں اس جگہ کی گرانی کو دیکھ کر(۴)

''باب'' اور ''باد'' کے آخری حرف میں اختلاف کی وجہ سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔

صنعت زائد وناقص:

اس صنعت کی رو سے دو متجانس الفاظ میں سے ایک میں کوئی حرف زیادہ اور دوسرے میں کم ہوتا ہے۔یہ کمی بیشی لفظ کے شروع، درمیان اور آخر میں کہیں بھی وقوع پذیر ہوسکتی ہے۔لفظ کے شروع میں کم بیشی کی مثال دیکھیے:

لیے پھرا جو مجھے در بدر زمانے میں
خیال تجھ کو دلِ بے قرار! کس کا تھا(۵)

''در بدر'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔

لفظ کے درمیان میں کمی بیشی کی مثال دیکھیے:

ڈر کے کسی سے چھپ جاتا ہے جیسے سانپ خزانے میں
زر کے زور سے زندہ ہیں سب خاک کے اس ویرانے میں(۶)

''وٗ'' زر میں کم اور زور میں زیادہ ہے۔

صنعتِ تجنیسِ خطی:

کلام میں ایسے لفظ لائے جائیں جو شکل وصورت میں تو ایک جیسے ہوں لیکن فرق محض نقطوں کا ہو۔

اک تیز تیر تھا کہ لگا اور نکل گیا
ماری جو چیخ ریل نے جنگل دہل گیا(۷)

''تیر'' اور ''تیز'' میں نقطوں کا فرق ہے جس سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔

شہ نشینوں پہ ہوا پھرتی ہے کھوئی کھوئی
اب کہاں ہیں وہ مکیں یہ تو بتاتے اس کو(۸)

''پہ'' اور ''یہ'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔

تجنیسِ مذیل:

دو متجانس الفاظ ایسے لائے جائیں کہ ان میں سے ایک لفظ کے آخر میں دو حروف زائد ہوں۔

عجب رنگ رنگیں قباؤں میں تھے
دل و جان جیسے بلاؤں میں تھے(۹)

''رنگ'' اور ''رنگیں'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔

جسم کا خون سمٹ آیا تھا ڈری نگاہوں میں
زر کی زردی کھنڈی ہوئی تھی پیلے ماتھوں پر(۱۰)

''زر'' اور ''زردی'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔

تجنیسِ محرف/ ناقص:

کلام میں دو ایسے متجانس الفاظ لائے جائیں جو ترتیبِ حروف میں تو متشابہ ہوں لیکن ان کی حرکات وسکنات میں فرق ہو۔

دن اگر چڑھتا اُدھر سے میں اِدھر سے جاگتا
حسن سارا مشرقوں کا ساتھ میرے جاگتا(۱۱)

''اُدھر'' اور ''اِدھر'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔

صنعتِ تکرار:

کلام میں ایسے الفاظ تکرار سے لانا جن کی موجودگی سے کلام میں حسن پیدا ہو جائے۔ صنعتِ تکرار کلام میں

موسیقیت پیدا کرنے کا موجب بھی ہوتی ہے۔ صنعتِ تکرار کی کئی صورتیں ہیں۔ ان میں سے بیشتر منیر نیازی کی شاعری میں موجود ہیں۔

تکرارِ مطلق:

اس میں الفاظ کی تکرار ہوتی ہے لیکن شعر میں مقام کی تخصیص نہیں ہوتی۔ مصرع اولیٰ اور ثانی کے تمام حصوں میں کہیں بھی دو الفاظ مکرر لائے جا سکتے ہیں۔

نیلے نیلے آسمان پر بادل ہیں چمکیلے
جانے کیا دیکھا گوری نے ہو گئے نین نشیلے(۱۲)

''نیلے نیلے'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔ یہ مصرع اولیٰ کے صدر میں مکرر ہیں۔

پہلے پہل تو جی نہ لگا پردیس کے ان لوگوں میں
رفتہ رفتہ اپنے ہی گھر سے سارے ناطے ٹوٹے(۱۳)

''رفتہ رفتہ'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔

تکرار مع الوسائط:

دو لفظ ایسے مکرر لائے جائیں کہ ان دو لفظوں کے درمیان ایک اور لفظ ہو جو ان دونوں لفظوں کو باہم جوڑ دے۔

نسل در نسل کے افکارِ غزل سے نکلا
اتنی دیواروں سے میں اپنے عمل سے نکلا(۱۴)

لفظ ''در'' مکرر الفاظ کے درمیان واسطہ ہے۔

تکرار مجدد:

اس میں لفظ مکرر تو لایا جاتا ہے لیکن دوسری دفعہ بات پر زور دینے کے لیے نہیں آتا بلکہ اس کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے۔ مکرر الفاظ کی معنی اور نوعیت میں فرق ہوتا ہے۔ پہلا لفظ اپنے سے پہلے اور دوسرا لفظ اپنے سے بعد والے لفظ سے جڑت رکھتا ہے۔ منیر نیازی کے یہاں مثال دیکھیے:

رہتا ہے اک ہراس سا قدموں کے ساتھ ساتھ
چلتا ہے دشت، دشت نوردوں کے ساتھ ساتھ(۱۵)

''دشت'' کی تکرار اور استعمال کی نوعیت سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔ ویسے اس شعر میں تکرارِ مطلق کا قرینہ بھی موجود ہے۔

تکرارِ مشبہ:

پہلے اور دوسرے دونوں مصرعوں میں ایک ایک لفظ کی تکرار ہوتی ہے اور ان مکرر الفاظ کا آپس میں تعلق بھی ہوتا ہے۔

چلتے چلتے میں نے کوئی سرسراہٹ سی سنی
ہولے ہولے پاس آتی ایک آہٹ سی سنی(۱۶)

''چلتے چلتے'' اور ''ہولے ہولے'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے اور ان میں باہم تعلق بھی موجود ہے۔

صنعت سیاق الاعداد:

وہ صنعت جس میں اعداد کا ذکر کیا جائے۔ اعداد کا ذکر کرتے ہوئے ترتیب کا خیال رکھنا ضروری نہیں۔

بس اک نظر میں ہزار باتیں
پھر اس سے آگے حجاب اتنے(۱۷)

''اک'' اور ''ہزار'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔

صنعتِ تضمن المزدوج:

شعر میں قافیے کے علاوہ دیگر دو ہم قافیہ الفاظ جوڑ دیے جائیں تو یہ صنعت پیدا ہوتی ہے۔

مٹتے بنتے نقش ہزاروں، گھٹتی بڑھتی دوریاں
ایک طرف پر وصل کا قصہ، تین طرف مہجوریاں(۱۸)

''مٹتے بنتے'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔ ویسے اس شعر میں صنعت سیاق الاعداد بھی موجود ہے۔

صنعت ردالعجز:

یہ صنعت مصرع ثانی کے تیسرے حصے ''عجز'' سے پیدا ہوتی ہے۔ عجز والا لفظ شعر کے جس بھی حصے میں آجائے وہاں یہ صنعت پیدا ہو جائے گی۔ اگر ''عجز'' والا لفظ ''صدر'' میں آجائے تو ردالعجز علی الصدر ہوگا۔ اگر ''حشو'' میں آجائے تو رد العجز علی الحشو ہوگا۔ اگر ''عروض'' میں آجائے تو ردالعجز علی العروض ہوگا۔ اگر ''ابتدا'' میں آجائے تو ردالعجز علی الابتدا ہوگا۔

ردالعجز علی الصدر:

اس میں ''عجز'' والا لفظ مصرع اولیٰ کے ''صدر'' میں آتا ہے۔

دیکھیے اب کے برس کیا گل کھلاتی ہے بہار
کتنی شدت سے مہکتا ہے گلستاں دیکھیے(۱۹)

''دیکھیے'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔

ہے آب اپنی وسعتِ لا حد سے ایک راز
خوابِ گراں کوہِ گراں راز ہی تو ہے(۲۰)

''ہے'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔

ردالعجز علی العروض:

''عجز'' والے الفاظ ''عروض'' میں آجائیں تو یہ صنعت پیدا ہوتی ہے۔

دل خوف میں ہے عالمِ فانی کو دیکھ کر
آتی ہے یاد موت کی پانی کو دیکھ کر(۲۱)

''دیکھ کر'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔

صنعتِ تفریع:

اس صنعت کے حوالے سے ماہرین میں اختلاف موجود ہے۔نجم الغنی کے مطابق ''جزوِ صدر کا حرفِ آخر عجز کے حرفِ آخر کے موافق ہوتا ہے۔''(۲۲)

موسم کی مستیوں میں اسے دیکھنا ذرا
ٹھنڈی ہوا کی زد پہ ہے پیپل کا اس کا جسم(۲۳)

صدر کے موسم کا ''م'' اور عجز کے لفظ ''جسم'' کا حرفِ آخر باہم موافق ہیں۔

اٹھا، تو جا بھی چکا تھا، عجیب مہماں تھا
صدائیں دے کے مجھے نیند سے جگا بھی گیا(۲۴)

صدر کے لفظ ''اٹھا'' کا حرفِ آخر ''ا'' عجز کے لفظ ''گیا'' کے حرفِ آخر سے موافق ہے۔

صنعتِ واسع الشفتین:

''شفت'' عربی میں ہونٹ کو کہتے ہیں۔ جب شعر یا مصرع کو پڑھتے ہوئے لب کھلے رہیں یعنی آپس میں نہ ملیں تو یہ صنعت پیدا ہوتی ہے۔

ہُوا خالی صداؤں سے نگر آہستہ آہستہ(۲۵)

نشاں آخر ہُوا یہ سرخ تر آہستہ آہستہ(۲۶)

دونوں مصرعوں کے پڑھنے سے ہونٹ آپس میں نہیں ملتے۔

صنعتِ مماثلت:

اگر مصرع اولیٰ کے سارے الفاظ مصرع ثانی کے سارے یا اکثر الفاظ کے ہم وزن ہوں تو صنعت مماثلت پیدا ہوتی ہے۔

ہوا چلتی ہے وسعت کے خیابانوں کی حیرت میں
ہوا چلتی ہے مغرب کے پری خانوں کی غربت میں

ہوا چلتی ہے قریے کے شبستانوں کی حالت میں
ہوا چلتی ہے سرما کی نئی شامِ محبت میں(۲۷)

صنعتِ قلب:

جب دو الفاظ میں حروف کی نوعیت اور تعداد ایک جیسی ہو لیکن حروف کی ترتیب مختلف ہو تو صنعتِ قلب پیدا ہوتی ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔ مقلوبِ کل، مقلوبِ بعض، مقلوبِ مستوی۔ مقلوبِ کل میں ترتیب بالکل الٹ ہوتی ہے۔ مقلوبِ بعض میں حروف کی ترتیب مختلف ہوتی ہے۔ مقلوبِ مستوی میں شعر کو مقلوب کر کے پڑھنے سے وہی عبارت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہاں سب کا ذکر کرنا ممکن نہیں۔ صنعتِ مقلوبِ کل کی مثال دیکھیے:

اک نظر بندی کا عالم تھی نگر کی زندگی
قید میں رہتے تھے جب تک شہر والوں میں رہے(۲۸)

''اک'' اور ''کا'' سے صنعت پیدا ہو رہی ہے۔

صنعتِ ترافق:

جب کسی شعر کے دونوں مصرعے یا قطعہ، مسدس، رباعی وغیرہ کے چاروں مصرعے جس ترتیب سے بھی پڑھے جائیں معنی میں فرق نہ آئے۔ تو صنعتِ ترافق پیدا ہوتی ہے۔

وحدت سے کثرت کی طرف
کثرت سے وحدت کی طرف(۲۹)

اس شعر کے جس مصرع کو چاہے پہلے پڑھیں یا بعد میں معنی میں فرق نہیں آتا۔

صنعتِ منقوطہ:

جب سارے الفاظ نقطہ دار ہوں تو یہ صنعت پیدا ہوتی ہے۔

قدیم قریوں میں موجود تُو خدائے قدیم
جدید شہر میں بھی تجھ کو رونما دیکھا(۳۰)

صنعتِ غیر منقوطہ:

جب کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جو نقطہ دار نہ ہوں تو صنعت غیر منقوطہ پیدا ہوتی ہے۔

ہواؤں کے دَل اور گھرے ہوئے(۳۱)

اک محصور صدا سی ہے (۳۲)

صنعتِ تحتانیہ یا تحت النقاط:

جب کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن کے نقطے نیچے ہوں تو صنعت تحت النقاط پیدا ہوتی ہے۔

صبح بہار میں اُسے
جا کے ملوں گا میں کبھی (۳۳)

صنعتِ فوقانیہ یا فوق النقاط:

جب کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن کے نقطے اوپر ہوں تو صنعتِ فوقانیہ پیدا ہوتی ہے۔

رخ شہروں کی شام کا ہے
صحرا کی وحشت کی طرف (۳۴)

صنعتِ تحتانیہ/فوقانیہ:

منیر نیازی کے ہاں صنعتِ تحتانیہ اور صنعتِ فوقانیہ کا یکجا استعمال بھی ملتا ہے۔ مثالیں دیکھیے:

ساری یاد اس کی
سارے اس کے قصّے (۳۵)

پہلے مصرع میں تحتانیہ اور دوسرے مصرع میں فوقانیہ کا استعمال ہوا ہے۔ اس کے الٹ مثال دیکھیے:

نقش اس رنگ کا
دل سے کیسے اڑے (۳۶)

پہلے مصرع میں فوقانیہ اور دوسرے مصرع میں تحتانیہ کا استعمال ہوا ہے۔

صنعتِ تلمیح:

کلام میں ایسا لفظ لایا جائے جس سے ماضی کا کوئی قصہ، کہانی یا واقعہ ذہن میں تازہ ہو جائے۔ منیر نیازی کے ہاں تلمیحات اکثر ہندی تہذیب سے متعلق ملتی ہیں۔

اُس بَن میں اک بھولی رادھا
شیام سے ملنے آئی تھی (۳۷)

صنائع معنوی:

ایسی کاری گریاں جن سے کلام میں معنوی حسن پیدا ہو انھیں صنائع معنوی کہیں گے۔ منیر نیازی کی شاعری میں درج ذیل صورتیں ملتی ہیں۔

صنعتِ مراعاۃ النظیر:

اس کے معنی مثال کے ہیں جب کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن کے معنوں میں کوئی مشابہت یا مماثلت ہو

لیکن یہ مماثلت تقابل یا تضاد کی نہ ہو کوئی اور ہو تو یہ صنعت پیدا ہوتی ہے۔

ہری ٹہنیوں کے نگر پر گئے
ہوا کے پرندے شجر پر گئے(۳۸)

ٹہنی، ہوا، پرندے، شجر میں مناسبت موجود ہے۔

صنعتِ تضاد:

صنعتِ تضاد کی رو سے کلام میں ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے متضاد ہوتے ہیں لیکن شاعر اس فن کاری سے استعمال کرتا ہے کہ ان کا تضاد معنوی تضاد نہیں بنتا بلکہ یک جزو کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ صنعتِ تضاد دو صورتوں میں ملتی ہے۔ تضادِ سلبی اور تضادِ ایجابی۔ تضادِ ایجابی کی مزید چار صورتیں بن جاتی ہیں۔ وہ تضاد دونوں اسما کے درمیان ہے یا دونوں افعال کے درمیان ہے یا دونوں حروف کے درمیان ہے یا ان میں سے ایک اسم ہے اور ایک فعل۔ یہ ساری شکلیں دیکھنا پڑتی ہیں۔ منیر نیازی کی شاعری میں بیشتر صورتیں موجود ہیں۔

تضادِ ایجابی:

دونوں اسم کی مثال:

خوں رلاتی ہے مجھے اک اجنبی چہرے کی یاد
رات دن رہتا ہے آنکھوں میں وہی لعلِ یمن(۳۹)

''رات'' اور ''دن'' میں تضاد موجود ہے۔ دونوں اسم ہیں۔

دونوں فعل کی مثال:

جتنے دن اس بت کو اپنا غم سنانے میں لگے
سال کتنے ان دنوں کے آنے جانے میں لگے(۴۰)

''آنے'' اور ''جانے'' دونوں میں تضاد ہے اور دونوں فعل ہیں۔

دونوں حروف کی مثال:

جگمگا اٹھا اندھیرے میں مری آہٹ سے وہ
یہ عجب اس بت کا میری آنکھ پر جوہر کھلا(۴۱)

''یہ'' اور ''وہ'' دونوں حرف کے طور پر آئے ہیں۔

تضادِ سلبی:

تضادِ ایجابی میں الفاظ کے معنی مثبت انداز میں ہوتے ہیں جبکہ تضادِ سلبی میں حرفِ نفی سے تضاد پیدا ہوتا ہے۔ دیکھیے:

کچھ اور وہ ہوا نہ ہوا مجھ کو دیکھ کر
یادِ بہارِ حسن سے غم ناک تو ہوا(۴۲)

''ہوا'' اور ''نہ ہوا'' سے تضاد پیدا ہوا ہے۔

صنعتِ تفریق:

اس میں ایک ہی طرح کی دو چیزوں میں فرق کیا جاتا ہے۔ دیکھیے:

سفر میں دھوپ کا منظر تھا اور سائے کا اور
ملا جو مہر میں مجھ کو سحاب میں نہ ملا(۴۳)

سفر میں مہر کی دھوپ اور بادل کے سائے کے درمیان منظر کا فرق بتایا گیا ہے۔

صنعتِ جمع:

اس میں چند چیزوں کو ایک ہی حکم کے تحت جمع کیا جاتا ہے۔ شاعر مختلف چیزیں جمع کر کے ان میں فکری ارتباط تلاش کرتا ہے۔

مکان، زر، لبِ گویا، حدِ سپہر و زمیں
دکھائی دیتا ہے سب کچھ یہاں خدا کے سوا(۴۴)

مکان، زر، لبِ گویا، حدِ سپہر و زمیں کو خدا کے سوا نظر نہ آنے کے حکم میں جمع کیا گیا ہے۔

صنعتِ لف ونشر:

لف کے معنی لپیٹنا اور نشر کے معنی پھیلانا یا کھولنا کے ہیں۔ پہلے کئی چیزوں کو مذکور کیا جاتا ہے اور بعد میں ان کے متعلقات و مناسبات بغیر کسی تعین کے بیان کر دیے جاتے ہیں۔ پہلی صورت لف اور دوسری صورت نشر ہوتی ہے۔ منیر نیازی کی شاعری میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

لف ونشر مرتب:

طوفانِ ابر و بادِ بلا ساحلوں پہ ہے
دریا کی خامشی میں ڈبونے کا رنگ ہے(۴۵)

صنعتِ استفہامیہ:

اس صنعت میں استفسار کا قرینہ پایا جاتا ہے۔

دلوں میں اب کے برس اتنے وہم کیوں جاگے
بلادِ صبر میں اب اضطراب کیوں آیا(۴۶)

دلوں میں وہم کے جاگنے اور بلا دِصبر میں اضطراب پر استفسار کیا گیا ہے۔

صنعتِ تجاہل عارفانہ:

کسی چیز کا علم ہوتے ہوئے بھی لاعلمی ظاہر کرنا تجاہلِ عارفانہ کہلاتا ہے۔

جانے کس شہر کو منیر گئے
اپنی بستی کے پار کے رستے(۴۷)

صنعتِ مبالغہ:

کسی شے کے بیان میں اس کی خصوصیت کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا صنعتِ مبالغہ کہلاتی ہے۔

بس ایک ماہِ جنوں خیز کی ضیا کے سوا
نگر میں کچھ نہیں باقی رہا ہوا کے سوا(۴۸)

ماہِ جنوں خیز کی روشنی کی خصوصیت کو مبالغے سے بیان کیا گیا ہے کہ اس روشنی کے سوا نگر میں کچھ نہیں بچا صرف ہوا باقی ہے۔

ہے آنکھ سرخ اس لبِ لعلیں کے عکس سے
دل خوں ہے اس کی شعلہ بیانی کو دیکھ کر(۴۹)

آنکھ کے سرخ ہونے کی وجہ محبوب کے ہونٹوں کی سرخی کا عکس بتایا گیا ہے۔ جو کہ حقیقت میں وجہ نہیں۔

صنعتِ عکس وتبدل:

اس صنعت کی رو سے کلام میں پہلے دو باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پھر ان کی ترتیب بدل دی جاتی ہے۔ پہلی کو دوسری اور دوسری کو پہلی بات بنا دیا جاتا ہے۔

نصف شب سے صبحِ دم کے راستے میں بحر ہے
صبح سے پھر نصف شب کے راستے میں بحر ہے(۵۰)

پہلے نصف شب سے صبحِ دم کے راستے میں بحر کی بات کی گئی۔ پھر صبح سے نصف شب کے راستے میں بحر کی بات کی گئی ہے۔ اس شعر میں کسی حد تک صنعتِ متتابع کا شائبہ بھی ہوتا ہے۔

الغرض منیر نیازی کی شاعری میں صنائع لفظی و معنوی کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ صنائع بدائع کے استعمال میں شعر کا لطف کہیں متاثر نہیں ہوتا۔ فطری انداز سے صنائع شعر میں اپنی جگہ پا لیتی ہیں۔ اسما و افعال کے ساتھ ان کا گہرا تال میل ہے جس کی بنیاد پر شعر میں غیر محسوس انداز میں جملہ صنائع جگہ پا گئی ہیں۔

حواشی

(۱) دکتر ساجد اللہ تفہیمی، فرہنگِ اصطلاحات علومِ ادبی، (اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران پاکستان، ۱۹۹۲ء)،ص ۸۵
(۲) مولوی نجم الغنی رام پوری، بحر الفصاحت (جلد دوم)، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۹ء)،ص ۸۹۲، باراوّل
(۳) عابد علی عابد، البدیع، (لاہور: مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، ۱۹۸۵ء)،ص ۴۴
(۴) منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا تھا (کلیات)، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)،ص ۲۹۴
(۵) ایضاً،ص ۴۰۳
(۶) ایضاً،ص ۳۹۹
(۷) ایضاً،ص ۲۹۱
(۸) ایضاً،ص ۲۸۹
(۹) ایضاً،ص ۲۱۲
(۱۰) ایضاً،ص ۴۱۵
(۱۱) ایضاً،ص ۴۶۳
(۱۲) ایضاً،ص ۲۲۴
(۱۳) ایضاً،ص ۱۰۱
(۱۴) ایضاً،ص ۴۶۵
(۱۵) ایضاً،ص ۳۷۳
(۱۶) ایضاً،ص ۱۸۸
(۱۷) ایضاً،ص ۵۸۲
(۱۸) ایضاً،ص ۳۵۳
(۱۹) ایضاً،ص ۲۱۹
(۲۰) ایضاً،ص ۴۷۱
(۲۱) ایضاً،ص ۲۹۴
(۲۲) مولوی نجم الغنی رام پوری، بحر الفصاحت (جلد دوم)،ص ۹۴۸
(۲۳) منیر نیازی، ایک اور دریا کا سامنا تھا (کلیات)،ص ۴۹۲
(۲۴) ایضاً،ص ۲۲۰
(۲۵) ایضاً،ص ۴۱۲
(۲۶) ایضاً
(۲۷) ایضاً،ص ۵۱۲
(۲۸) ایضاً،ص ۳۸۷

(۲۹) ایضاً،ص۴۶۹
(۳۰) ایضاً،ص۴۰۴
(۳۱) ایضاً،ص۴۴۱
(۳۲) ایضاً،ص۴۶۹
(۳۳) ایضاً،ص۴۴۶
(۳۴) ایضاً،ص۴۶۹
(۳۵) ایضاً،ص۴۳۲
(۳۶) ایضاً،ص۴۵۶
(۳۷) ایضاً،ص۴۷
(۳۸) ایضاً،ص۳۰۰
(۳۹) ایضاً،ص۲۸۵
(۴۰) ایضاً،ص۵۸۰
(۴۱) ایضاً،ص۳۸۱
(۴۲) ایضاً،ص۳۷۴
(۴۳) ایضاً،ص۲۹۹
(۴۴) ایضاً،ص۳۰۶
(۴۵) ایضاً،ص۲۹۶
(۴۶) ایضاً،ص۲۹۷
(۴۷) ایضاً،ص۵۸۴
(۴۸) ایضاً،ص۳۰۶
(۴۹) ایضاً،ص۲۹۴
(۵۰) ایضاً،ص۴۳۸

مآخذ:

(۱) تفہیمی، ساجداللہ، دکتر، فرہنگِ اصطلاحات علومِ ادبی، اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران پاکستان، ۱۹۹۲ء
(۲) رام پوری، نجم الغنی، مولوی، بحر الفصاحت (جلد دوم)، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۹ء، باراوّل
(۳) عابد، عابد علی البدیع، لاہور: مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، ۱۹۸۵ء
(۴) نیازی، منیر، ایک اور دریا کا سامنا تھا (کلیات)، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء